تحریر: ڈاکٹر صادق رضازادہ شفق

انگریزی سے ترجمہ: شاہد فاروق

مسیحیت اور اسلام

[ڈاکٹر صادق رضازادہ شفق (۱۸۹۴ء - ۱۹۷۱ء) ایران کے معروف عالم، دانش ور اور نظم و نثر دونوں پر یکساں قدرت رکھنے والے صاحبِ قلم تھے۔ اُنھوں نے برلن یونیورسٹی سے ۱۹۲۸ء میں ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری حاصل کی۔ مختلف اوقات میں تہران یونیورسٹی (ایران)، میک گِل یونیورسٹی (کینیڈا) اور کولمبیا یونیورسٹی (ریاست ہائے متحدہ امریکہ) سے وابستہ رہے۔

ایران کے قانون ساز ادارے "مجلس" (ایوانِ زیریں) اور سینیٹ (ایوانِ بالا) کے رکن بھی رہے۔ اُن کی تالیفات میں سے "تاریخِ ادبیات ایران"، "ترجمہ تاریخِ مختصر ایران" (از پاولی ہرن) اور "ایران در نظرِ خاور شناساں"، "تحقیق در فہمِ بشر" اور "فرہنگ شاہنامہ" زیادہ معروف ہیں۔ "تاریخِ ادبیاتِ ایران" کا اردو ترجمہ سیّد مبارزالدین رفعت کے قلم سے شائع ہو چکا ہے۔ (دہلی: ندوۃ المصنفین - ۱۹۵۵ء)

۱۹۵۰ء کے عشرے میں امریکی اور مسلم دُنیا کے اہلِ علم جن اجتماعات میں بالخصوص یک جا ہوئے، اِن میں سے پہلا اجتماع پرنسٹن یونیورسٹی اور لائبریری آف کانگرس کے اشتراک سے ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ۱۹۵۳ء میں منعقد ہوا۔ اِس سلسلے کا دوسرا اجتماع حکومتِ پاکستان اور جامعہ پنجاب (لاہور) کے تعاون سے دسمبر ۱۹۵۷ء اور جنوری ۱۹۵۸ء میں لاہور میں منعقد ہوا۔ ڈاکٹر صادق رضازادہ شفق اُن مندوبین میں سے تھے جنھوں نے دونوں اجتماعات میں شرکت کی اور مقالات پیش کیے۔ پہلے اجتماع میں اُنھوں نے "الغزالی: ایک امتزاجی مفکّر" کے زیرِ عنوان مقالہ پیش کیا اور دوسرے اجتماع کے لیے اُنھوں نے "مسیحیت اور اسلام" کا موضوع پسند کیا۔ ذیل میں آخرالذکر مقالے کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

دونوں مقالات کے لیے بالترتیب دیکھیے۔

Colloquium on Islamic Culture in Its Relation to the Contemporary World, Princeton: Princeton University Press (1953), pp. 85-86.

International Islamic Colloquium Papers, December 29, 1957-January 8, 1958, Lahore: The Punjab University Press (1960), pp 200 - 203.

ڈاکٹر صادق رضازادہ شفق کے بعض خیالات سے اختلاف ممکن ہے، مگر ہم نے ان کے مقالے میں قطع و برید کرنا مناسب خیال نہیں کیا۔ مدیر]

میں اس مختصر مقالے میں "مسیحیت اور اسلام" سے متعلق تین امور پر بات کروں گا۔ (۱) اسلام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقام (۲) مسلم - مسیحی اختلاف اور (۳) مفاہمت کی راہ

اسلام ہمارے نزدیک ایک عالمی دین ہے البتہ ڈبلیو - ولسن کیش جیسے کچھ مسیحی مصنفین اِسے خوشہ چیں مذہب [Eclectic Religion] کہتے ہیں۔[1] عہد نامہ عتیق میں مذکور بہت سے پیغمبروں کا ذکر قرآنِ کریم میں پوری تعظیم و تکریم سے کیا گیا ہے۔ مگر تمام پیغمبروں کے ذکر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خصوصی درجہ حاصل ہے۔ قرآن کی سورہ النساء میں انہیں رسول اللہ، کلمتہ اللہ اور روح اللہ کہا گیا ہے۔

انما المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول الله و کلمتہ - القھا الیٰ مریم و روح منہ (۴:۱۷۱)

قدیم مسلم مفسرینِ قرآن نے ان القاب کے مفہوم کی وضاحت کے لیے متعدد تشریحات پیش کی ہیں۔ بارہویں صدی عیسوی کے معروف شیعہ مفسر الشیخ ابو علی الفضل بن الحسن الطبرسی کی رائے ہے کہ کلمتہ اللہ سے مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے توسّط سے خدا کی سچائی اُس طرح بنی نوعِ انسان پر منکشف ہوئی ہے جس طرح بولے اور لکھے ہوئے الفاظ سے مفہوم واضح ہوتا ہے۔ الطبرسی اِسے مشیّتِ ایزدی بھی قرار دیتا ہے جو یوحنا کی انجیل کی اوّلین آیت کے "کلام" کا تصور پیش کرتا ہے۔ [ابتداء میں کلام خدا تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا۔] پس حضرت عیسیٰ زندہ کلمتہ اللہ ہیں۔ حضرت عیسیٰ کے اللہ کی جانب سے روح ہونے کے بارے میں الطبرسی اپنی تفسیر میں لکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بطور برکت اپنے پاس سے روح حضرت مریم علیہا السلام کے دل میں ڈال دی اور اس روح نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسم کی صورت اختیار کی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بلند مرتبت شخصیت کے لیے ایسے ہی القاب قرآن میں بار بار استعمال کیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر سورہ البقرہ کی آیات ۸۷ اور ۲۵۳ میں کہا گیا ہے کہ انہیں "روح القدس سے قوت دی گئی ہے اور اُنہیں واضح معجزات دیے گئے ہیں۔"

واتینا عیسیٰ ابن مریم البینت وایدنہ بروح القدس

سورہ آلِ عمران کی آیت ۴۵ میں کہا گیا ہے کہ وہ اس دنیا میں اور آخرت میں بلند مرتبہ ہیں اور اللہ کے مقرّبین میں سے ہیں۔

وجیھا فی الدنیا والاخرۃ و من المقربین

سورہ مریم کی آیات ۳۰ اور ۳۱ میں اُنہیں مبارک شخص کہا گیا ہے جنہیں اللہ کا کلام دیا گیا جب کہ وہ بچے تھے۔

انی عبد الله اتنی الکتب و جعلنی نبیا و جعلنی منبرکا این ما کنت

سورۂ زخرف کی آیت ۶۳ میں انہیں دانائی کا حامل قرار دیا گیا ہے تاکہ وہ بنی نوع انسان کو اُن کے اختلافات میں راہ سجھائیں۔

ولما جاء عیسٰی بالبینت قال قد جئتکم بالحکمتہ ولا بین لکم بعض الذی تختلفون

نیز حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حواریوں اور پیروکاروں کو انصار اللہ (اللہ کے مددگار) کہہ کر یاد کیا گیا ہے۔ (آل عمران: ۴۵)

ان کے پیروکاروں کی عمومی خصوصیت یہ بتائی گئی ہے کہ اُنہیں رأفت و رحمت سے نوازا گیا ہے۔ (الحدید: ۲۷)

وجعلنا فی قلوب الذین اتبعوہ رافۃ ورحمۃ

قرآن مجید حضرت عیسٰی علیہ السلام، ان کے مشن، ان کی تعلیمات اور ان کے پیروکاروں کا ذکر کرتا ہے اور ۱۸ سورتوں کی کم و بیش ۷۸ آیات اِن امور کے لیے مختص ہیں۔ جن سورتوں میں اُن کا ذکر ہے، یہ ہیں۔ سورہ بقرہ، سورہ آلِ عمران، سورہ نساء، سورہ مائدہ، سورہ انعام، سورہ اعراف، سورہ توبہ، سورہ یونس، سورہ مریم، سورہ انبیاء، سورہ احزاب، سورہ زمر، سورہ شوریٰ، سورہ زخرف، سورہ حدید، سورہ صف، اس پیغام کے نتیجے میں اس وقت کروڑوں مسلمان حضرت عیسٰی علیہ السلام کو خدا کا رسول، کلام اللہ اور روح اللہ مانتے ہیں۔ اُن کی ذات بنی نوع انسان کے لیے رہنمائی اور روشنی ہے۔

میرے خیال میں یہ سوچ مسیحی دنیا کے ساتھ ساتھ ساری مذہبی دنیا کے لیے عظیم سرمایہ ہے۔ لیکن قدیم مسیحی دنیا نے اسلام کو اس طرح نہ دیکھا۔ دونوں مذاہب کے درمیان جو تعلق بنا، وہ محض معاندانہ تھا، لیکن یہ بات حیران کن نہیں کیونکہ ایک ہی مذہب سے تعلق رکھنے والے فرقوں میں بھی باہم مخالفت موجود رہی ہے اور اب بھی ہے۔ اسلام اور مسیحیت کے درمیان دشمنیاں بڑھتی رہیں حتیٰ کہ صلیبی جنگوں پر اختتام پذیر ہوئیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا دعویدار کہا گیا اور ناقابل بیان باتیں ان سے منسوب کی گئیں۔ ایک مرتبہ ہنری بکل کی کتاب Introduction to English Civilisation [انگریزی تہذیب: ایک تعارف] کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک دلچسپ مگر ازحد افسوس ناک کہانی سامنے آئی۔ ہنری بکل کے مطابق میتھیو پیرس (م ۱۲۵۹ء) نے جو اچھے مسیحی مصنف اور مؤرخ ہیں، اسلام میں سُور کے گوشت کے حرام قرار دیے جانے کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سوروں سے ذاتی طور پر نفرت تھی کیونکہ ایک بار جب وہ (نعوذ باللہ) شراب پیے ہوئے

تھے، ان پر سورول نے حملہ کر دیا تھا۔ بلاشبہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تقابلِ ادیان کے مسیحی طلبہ نے اسلامی تعلیمات پر مزید روشنی ڈالی جس کے نتیجے میں نسبتاً معتدل اور حقیقت پسندانہ خیالات سامنے آئے۔ حتیٰ کہ مغرب میں ایک قسم کی خود تنقیدی پیدا ہو گئی اور جدید دور میں اسلام کا مطالعہ کرنے والے [Islamists] اسلام کے بارے میں اپنے ساتھی مسیحیوں کے متعصبانہ خیالات کی مذمت کرنے لگے۔ مثال کے طور پر ڈچ اسلامسٹ سی - ایس - ہرگرونے (C. S. Hurgronje) نے اسلام پر اپنی کتاب کے ابتدایے میں اپنے پیشروؤں کے غلط خیالات اجمالاً بیان کیے اور انہیں مسترد کر دیا۔[۲] اب بہت سے معروف مسیحی مصنفین حتیٰ کہ مبشرین بھی کم از کم یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ اپنے مشن میں سچے تھے۔ تھیوڈر نوئیلڈک، جارج سیل، ایچ - اے - آر - گب اور ڈبلیو - ولسن کیش جیسے افراد یہ حقیقت تسلیم کرتے ہیں۔ ایل - بیون جونز اور کینتھ کریگ جیسے [مبشر] اہل فکر اپنے ساتھی مسیحیوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ زیادہ دوستانہ رویّہ اپنائیں اور احترام سے پیش آئیں۔[۳] دونوں حضرات کے مشورے میں فرق یہ ہے کہ جونز کے مشورے کے پیچھے "حکمتِ عملی" کا مقصد کارفرما معلوم ہوتا ہے البتہ کریگ کا خیال نسبتاً زیادہ دیانتداری پر مبنی ہے۔

ان سب باتوں کے باوجود اسلام اور مسیحیت میں اختلافات قائم ہیں۔ ان فکری اختلافات میں کم از کم تین بڑے امور کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ یعنی حضرت عیسیٰ کی الوہیت کا عقیدہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب دیے جانے کا مسئلہ اور انجیل [کے استناد] کا مسئلہ۔ اسلام کی رو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے فرستادہ بندے ہیں جبکہ راسخ العقیدہ مسیحیوں کے نزدیک وہ انسان کی شکل میں خود خداوند ہیں۔ پہلی صورت میں وہ "اللہ والے" انسان ہیں، دوسری صورت میں وہ انسان کی شکل میں خدا ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تشبیہیت [Anthropomorphism] کا کوئی بھی تصوّر اور تجسیم کی کوئی بھی صورت اسلام کے لیے قابلِ قبول نہیں۔ اس لیے خدا کے ساتھ کوئی بھی انسانی رشتہ داری چاہے وہ تثلیث کی طرح لفظی ہی کیوں نہ ہو، اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ یہ عقیدہ، بالخصوص جس طرح حضرت محمد ﷺ کے عہد میں مشرقی مسیحیوں کے ایمان کا حصہ تھا، مسلمانوں اور مسیحیوں کو ایک دوسرے سے دور کرنے کا باعث بنا۔ بیون جونز ہمیں بتاتا ہے کہ اُس زمانے میں حبشہ کے مسیحی خدا، حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر مشتمل تثلیث پر ایمان رکھتے تھے۔[۴] وحدت ذات کے ماننے والے فرقے ان کے علاوہ تھے۔ لیکن حقیقتاً ہمیں اُس دور میں جانے کی ضرورت نہیں۔ قفقاز کے علاقے میں بطور طالب علم سفر کرتے ہوئے میں باتومی [جارجیا] میں تھا کہ وہاں کے بڑے چرچ کے ایک پادری سے دیوار پر منقش تصاویر کے بارے میں دریافت کیا تو پادری نے بوڑھے شخص کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ یہ God Father [دینی باپ] ہیں، اور چھوٹی تصویر کو اُنھوں نے God Son [دینی بیٹا] کہا اور فاختہ کو اُنھوں نے "روح القدس" سے تعبیر کیا۔

جہاں تک تصلیب کا تعلق ہے مجھے افسوس ہے کہ السانی المسیہ کے اس قدر خوبصورت اظہار کا ذکر قرآن مجید میں نظر نہیں آتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی صلیب خود اٹھانے کا تصوّر ناقابلِ بیان حد تک جلالت آمیز ہے۔ میں اپنے آپ کو اس معاملے کی وضاحت کرنے کے قابل نہیں سمجھتا۔ اور نہ اس معاملے کا مجھ سے تقاضا ہے کہ اس کی "تاریخیت" زیر بحث لاؤں۔ یہ امر افسوس ناک ہوگا کہ اسے مسلمان رہنماؤں کی لاعلمی یا توڑ مروڑ کر پیش کرنے پر محمول کروں، مگر میں قرآنی آیات کی ایک اہم Implication کی طرف اشارہ کیے بغیر آگے نہیں جا سکتا۔ تصوّر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ ہونے کی حیثیت سے نہ قتل کیے جا سکتے تھے اور نہ اُنہیں نیست و نابود کیا جا سکتا تھا۔ وہ فوت نہیں ہوئے کیوں کہ وہ لازوال "روح" کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں اپنی جانب اٹھا لیا۔

بل رفعه الله اليه (۴ : ۱۵۸)

بلاشبہ انجیل کا سوال بھی ایک پیچیدہ مسئلہ ہے۔ اولاً ہم اس کے متعلق یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے پیچھے اپنی مصدّقہ کوئی انجیل نہیں چھوڑی اور اگر انہوں نے کوئی ایسی انجیل چھوڑی ہے تو ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ ثانیاً میں سمجھتا ہوں کہ اس مسئلے کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر صحیح طور پر نہیں سمجھا گیا۔ "انجیل میں کی گئی جس تحریف و تبدیلی" کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے، اُس سے یہ مراد نہیں کہ مسیحیوں نے جان بوجھ کر اپنی مقدّس کتاب [Scripture] میں تبدیلی کی ہے بلکہ اس کا مطلب غالباً یہ ہے کہ بہت سے لوگوں نے کلامِ مقدّس کا حوالہ دیتے ہوئے اپنی سمجھ بوجھ بلکہ بعض اوقات اپنی بشری خواہشات کے مطابق اسے بدل ڈالا اور اسی طرح اس کی تشریح و توضیح کی۔ اور کیا ہم اس دور میں اس چیز کا مشاہدہ نہیں کر رہے؟ ہم فرقوں اور مسالک کو دیکھتے ہیں کہ وہ الہامی متون سے وہی کچھ مراد لیتے ہیں جو اُن کے مناسب حال ہوتا ہے۔

میں ایک اور بات کہنا چاہتا ہوں کہ اگرچہ مسلمان موجودہ چاروں اناجیل کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصلی اناجیل نہیں سمجھتے، تاہم اِن کے بارے میں کم از کم یہ سمجھا جاتا ہے کہ اِن میں "خدائی سچائی" اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کچھ تعلیمات ضرور موجود ہیں۔ یہی سبب ہے کہ اسلامی دنیا میں نثر اور نظم دونوں میں بڑی مقدار میں ایسا ادب وجود میں آیا جس میں اناجیل پر مبنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات اور اقوال پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

میں نے ان دنوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پر ایک پرانی کتاب میں جو حال ہی میں شائع ہوئی ہے، ایک مستقل باب دیکھا ہے، یہ کتاب "تحف العقول" [داناؤں کے تحفے] ہے جو گیارہویں صدی عیسوی کے ایک معروف شیعہ مصنف ابو محمد الحسن بن الحسین الحرانی کی تالیف ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے متعلق باب کے آغاز میں "پہاڑی کے وعظ" کی دس آیتیں تقریباً لفظ بہ لفظ نقل کی گئی ہیں۔ باقی باب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کا ذکر ہے جو نئے عہد نامہ میں جا بجا ملتی

ہیں۔ فارسی جیسی قومی اسلامی زبانوں میں اناجیل کے متعدّد حوالے موجود ہیں۔ مسیحیت کے بالمقابل ہمیں نقصان یا شاید مجھے کہنا چاہیے، ہمیں فائدہ یہ ہے کہ ہم حضرت عیسیٰؑ کے الٰہی مشن پر ایمان رکھتے ہیں جبکہ ہمارے مسیحی بھائی حضرت محمد ﷺ کے مشن پر ایمان نہیں رکھتے۔ اس لیے ہم حضرت عیسیٰؑ اور ان کی انجیل کے خلاف سیلسس (Celsus) اور ان کے بعد آنے والے بُت پرست اور مسیح مخالف نقادوں، ریمرس، سٹراس، ٹوبنجن مکتبہ فکر، رینان، جے - ایم - رابرٹسن، کوشوڈ، جارڈن اور دوسروں کی کوئی دلیل سُننے کو تیار نہیں جن میں سے بعض نے حضرت عیسیٰؑ کے تاریخی حقیقت ہونے میں بھی شک کیا ہے اور Myth Theory [اساطیری رائے] گھڑی ہے۔[۵] اگر ہمارے کچھ احمدی حضرات نے اِس مواد سے کام لیا ہے تو یہ محض دلیل بازی کے مقصد کے لیے ہے۔

آپ کے سامنے یہ پس منظر رکھنے کے بعد میں سختی سے قائل ہو گیا ہوں کہ اسلام اور مسیحیت کے درمیان حقیقی مصالحت ممکن ہے۔ اس سے میری مراد مروّجہ چلن کے مطابق "پُرامن بقائے باہمی" ہرگز نہیں بلکہ میری مراد حقیقی اور انتہائی دلی مصالحت بلکہ باہمی تعاون ہے۔ میں ایسا کیوں محسوس کرتا ہوں۔ اس کی وجوہ یہ ہیں۔

۱۔ دونوں مذاہب کے ماننے والے ایک ازلی، اعلیٰ ترین ذات اور خالقِ کائنات پر ایمان رکھتے ہیں، اُسی کی عبادت کرتے ہیں اور اُسی سے دعائیں مانگتے ہیں۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی نوعیت اور ذات [Personification] کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں۔

۲۔ دونوں مذاہب روح کے لافانی ہونے اور اپنے اعمال کے بارے میں انسان کے جواب دہ ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔

۳۔ دونوں مذاہب روحانی اور اخلاقی زندگی میں یقین رکھتے ہیں اور بنی نوعِ انسان کو بدی کے خلاف جہاد کرنے نیز محبت، خدمت، قربانی اور دوسرے اچھے اُصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

۴۔ دونوں مذاہب کے رہنما اصول ایک دوسرے سے باہم کہیں زیادہ ملتے جلتے ہیں جتنا کہ ہم میں سے بعض سمجھتے ہیں۔ قرآن مجید میں ایسی کئی آیات ہیں جو کتابِ مقدّس میں موجودہ آیات سے ملتی جلتی ہیں۔ مثال کے طور پر اُن آیات کا موازنہ کیجیے جو کینتھ کریگ نے The Christianity and Islam [مسیحیت اور اسلام] کے موضوع پر دیے گئے اپنے لیکچروں میں پیش کی ہیں۔ یہ آیات ہیں:

سورہ آلِ عمران: ۱۰۴ اور افسیوں: ۲۱۳، سورہ آلِ عمران: ۱۰۴ اور رومیوں، ۵:۱۰، اور سورہ ہود: ۲۸ اور سورہ اعراف: ۱۳۸ اور کرنتھیوں، ۲۶:۱ وغیرہ

۵۔ بہرحال جہاں تک اناجیل متوافقہ [Synoptic Gospels] کا تعلق ہے، ہم میں بہت سی چیزیں مشترک ہیں۔

۶۔ وجود الٰہی کے ثبوت جیسے دینیاتی مسائل میں قریبی تعلق اور ربط عیاں ہے۔ اے ۔ جے ۔ وینسنک جیسے اہل علم نے دونوں مذاہب کے درمیان باہمی ربط و تعلق کے بہت سے نکات پر چھان بین کی ہے اور وجود الٰہی کے ثبوت، اللہ تعالیٰ کی صفات، مختلف اقوام کی طرف رسولوں کے مشن، رسول اور نبیوں کے درمیان فرق، دیدارِ الٰہی، عقیدے اور عمل میں تعلق نیز روح اور وجود کے درمیان تعلق وغیرہ کے بارے میں یکساں رویوں کا ذکر کیا ہے۔[۶] عہد نامۂ قدیم بھی ہمیں آپس میں جوڑتا ہے۔ خدا کی وحدانیت، نماز کے متن، فرشتوں کے کام، جنت سے نکلنے اور توبہ قبول ہونے، تخلیق آدم کی کہانی، آدم و حوا، ہابیل و قابیل، نوح، کشتی نوح اور طوفان نوح وغیرہ سے ایک مشترک پس منظر کا اظہار ہوتا ہے۔ آرتھر جیفری اور دوسرے اہل علم کی لسانیاتی تحقیقات بھی مشترک ورثے کی جانب اشارہ کرتی ہیں۔

میرا پختہ یقین ہے کہ دنیا کی تقریباً آدھی آبادی پر مشتمل دونوں مذاہب کے ماننے والوں کے لیے وقت آرہا ہے کہ وہ مصالحت کے بارے میں غور و فکر کریں، بلکہ اس سے بڑھ کر انہیں باہمی تعاون کی کوشش کرنا چاہیے۔ اس سے میری مراد ہرگز یہ نہیں کہ کوئی ایک فریق دوسرے سے کچھ رعایت کرے یا کاروباری انداز کے سمجھوتے کی کوشش کرے۔ اپنی روحانی اقدار کی حفاظت کرنے کے لیے ہم میں پہلے ہی بہت سی چیزیں مشترک ہیں۔ تعصّب کا دور ختم ہو رہا ہے اور باہمی افہام و تفہیم وقت کی پکار ہے۔ ایک وہ "زمانہ" تھا کہ پوپ انوسنٹ چہارم اور سینٹ لوئیس نے مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے ملحد اور خون کے پیاسے منگولوں سے معاہدہ کر لیا تھا لیکن اب وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے مشترکہ دشمن یعنی اپنے زمانے کی "مادیّت" کے خلاف جنگ کا اعلان کریں۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر میری تجاویز مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ سب سے پہلے ہم پر یہ بات واضح ہونی چاہیے کہ ہمیں کسی ایسی غیر ضروری رعایت کی ضرورت نہیں جو عقیدے کے معاملے میں قابلِ عمل نہیں، تاہم جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ ہمیں بحیثیت مجموعی مذہب کے تحفظ میں یک جا ہونا چاہیے۔

۲۔ دونوں مذاہب کے پیروکاروں کو ایک دوسرے کے عقائد کا مطالعہ کرنے کی دل کی گہرائیوں سے حقیقی کوشش کرنی چاہیے اور یہ کوشش دوسرے کے مذہب کو سمجھنے کے لیے ہونی چاہیے، نہ کہ اسے غلط ثابت کرنے کے لیے۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ اس قسم کے مقصد کے لیے نیک نیتی اور غیر جانبداری کے ساتھ ساتھ ہر مذہب کے تاریخی اور نفسیاتی پس منظر کا مکمل جائزہ لینا ناگزیر ہے۔

۳۔ دونوں مذاہب اپنے پیروکاروں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اپنے مذہب کا پیغام باقی دنیا تک پہنچائیں اور بنی نوع انسان کو سیدھا راستہ دکھائیں۔ لیکن یہ چیز ایک دوسرے میں خرابیاں تلاش کرنے اور کسی شخص کے راستے میں جو اپنے مذہب کو چیلنج کر رہا ہے، گڑھے کھودنے سے ذرا مختلف ہے۔

میرے خیال میں تبدیلیٔ مذہب کی حکمت عملی کی نسبت "تبلیغی کام" زیادہ باوقار ہوتا ہے۔ مسیحیت اور اسلام جیسے دو توحیدی مذاہب کے حوالے سے بالخصوص اس بات پر غور کیا جانا چاہیے۔ مسلمان مبلغوں کو عقیدۂ تثلیث یا مسلک مریم وغیرہ کو ہدف تنقید بنانے کے بجائے "پہاڑی کے وعظ" اور یوحنا کی انجیل میں مذکور "سامریا کی عورت" کی کہانی اور کرنتھیوں - ا میں عقیدے، امید اور خیرات کے بارے میں حیرت انگیز تعلیمات کا مطالعہ کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ مسیحی مبلغین کو بھی کثرت ازواج، جہاد اور غلامی کے تصورات پر حملے کرنے کے بجائے سورہ المومنون کی ابتدائی آیات میں بیان کردہ قرآن کی اخلاقی اور سماجی تعلیمات کو سمجھنے پر زور دینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی ابدی ذات جو ابدی صداقت کی حامل ہے، سب سے طاقتور ہستی ہے۔ کائنات کی خالق اور اس کو قائم رکھنے والی ہے، زندگی، نور اور تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے، اس ذاتِ اقدس پر ایمان اور انسان کی اخلاقی ذمہ داری کا عقیدہ اسلام کی بنیادی تعلیمات ہیں۔ آج جب ہم سیاسی اداروں کی شکل میں مادیت کا غلبہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، آئیے ہم کم ازکم اِس بے پناہ روحانی سرمایے سے استفادہ کریں۔ مختصر لفظوں میں، میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ روایتی طریقہ تبشیر پر مکمل نظرثانی ناگزیر ہے۔

۴۔ جیسا کہ میں پہلے بھی مسلم - مسیحی تعاون کی [ایک] کمیٹی کے ایک اجلاس میں اس بات کی طرف اشارہ کر چکا ہوں کہ دونوں مذاہب کی جامعات کو اسلام اور مسیحیت کا جدید انداز میں مطالعہ کرنے کے لیے مخصوص ادارے قائم کرنے چاہییں۔ اس طرح کے ادارے روایتی غلط فہمیوں، غلط طور پر پیش کردہ اور غلط طور پر تشریح شدہ امور کو بتدریج ختم کرنے میں مدد دیں گے۔ اس لحاظ سے مسیحی دنیا مسلم دنیا سے بہت آگے ہے۔ یورپ اور امریکہ میں تقابلِ ادیان کے لیے متعدد مراکز قائم کیے جا چکے ہیں جن سے اچھے نتائج سامنے آ رہے ہیں۔

۵۔ میرا پختہ یقین ہے کہ اگر ہم مسلمان حقیقی تفہیم کے حوالے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی تعلیمات کے مطالعے میں ناکام رہتے ہیں تو ہم اسلام کے اس حکم کی خلاف ورزی کے مرتکب ہو رہے ہیں جو ہمیں قرآن کی پیروی کرنے کا حکم دیتا ہے اور قرآن کریم ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم اہل کتاب کو دعوت دیں کہ "اے اہل کتاب! ایک بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے، کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں۔" اور "ہمارا اور تمہارا خدا ایک ہے۔"

قل یاھل الکتب تعالوا الیٰ کلمة سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ۔ (۳: ۶۴)

والھنا و الھکم واحد (۲۹: ۴۶)

ہمیں چاہیے کہ ہم اس بے مثال حکم کے مطابق چلیں: "اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے بنایا اور تمہاری ذاتیں اور قبیلے رکھے تاکہ آپس کی پہچان ہو، درحقیقت اللہ کے نزدیک تم

میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔

یایھا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثیٰ وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم (۴۹: ۱۳)

حواشی

1. W. Wilson Cash, Christendom and Islam, New York and London (1937).
2. C. Snouck Hurgronje, Mohammedanism, New York and London (1916).
3. L. Bevan Jones, The People of the Mosque, London (1932), Keneth Cragg, The Christianity and Islam, (Mimeographed, 1957).
4. L. Bevan Jones, op. cit.
5. Archibold Robertson, Jesus: Myth or History? London (1946).
6. A. J. Wensinck, The Muslim Creed, Cambridge (1932).